ڈاکٹر سلیم اختر کے افسانے۔۔۔ موضوعاتی کینوس

ڈاکٹر ثمینہ ندیم

Dr. Samina Nadeem

Associate Professor, Department of Urdu,

Govt. Post Graduate Islamia College For Women,

Cooper Road, Lahore.

Abstract:

Dr. Saleem Akhtar is one of the promnent Urdu short story writers of the late twentieth centruy. His main interest in both criticism and fiction has been psychological make up of women and thier unconscious motivations. His major and more successful characters in short stories as well as novel are women. His preoccupation with this subject is intermingled with social problems and conjugal relations between the characters. Dr. Saleem Akhtar's techinque is generally straight forward and his stlye is simple and attractive. In this artical Dr. Samina Nadeem takes a deep look at his short stories and brings forth their salient charactristics.

ادب نے زندگی کی ترجمانی کا فریضہ خواہ نظم ہو یا نثر، بخوبی ادا کیا ہے انسان کی ہر لمحہ تغیر پذیر زندگی کی مختلف تصویریں مختلف رنگوں میں پیش کی ہیں۔ نثر میں اردو افسانے کی صنف وحدت تاثر کی خصوصیت کے باوصف کافی مقبول ہوئی۔

اردو افسانے کی مقبولیت میں تقسیمِ ہند کے بعد اور اضافہ ہوا۔ افسانہ نگاروں نے اپنے موضوعات اور اسلوب کے حوالے سے نئے تجربات بھی کیے انکشاف ذات کے مسائل سے لیکر کائنات کے پیچیدہ اسرار رموز تک صفحہ قرطاس پر منتقل کیا گیا۔

قمر رئیس کی رائے میں ''جدید نثری ادب میں افسانہ سے زیادہ ترقی پذیر کوئی دوسری صنف نہیں پھر یہ کہ اس صنف کا ارتقا ایک خطِ مستقیم کی صورت میں نہیں ہوا۔ یہ مختلف، متوازی، اور کہیں کہیں متضاد لہروں کی صورت میں ہوا ہے۔ ایک دشواری یہ بھی ہے کہ اردو افسانے میں ابتدا ہی سے جو تجربے ہوئے وہ نثری ادب کی دوسری فارم میں نظر نہیں آتے۔''(۱)

اردو افسانہ نگاروں کی فہرست میں ڈاکٹر سلیم اختر اپنی الگ شناخت رکھتے ہیں۔ ان کے افسانے سماجی معنویت کے اعتبار سے خاصے کی چیز ہیں۔ معاشرتی مسائل، جنس، جذبات مرد وزن کے باہمی روابط، نفسیاتی مسائل اور ان سے پیدا ہونے والی پیچیدگیاں اور ہماری سوسائٹی کے غیر مقبول کردار ان کے پسندیدہ موضوعات ہیں اس کے علاوہ انہوں نے علامتی اور تجریدی افسانے بھی لکھے۔ ان کے افسانوں کا کینوس وسیع ہے جس میں نفسیات اور جنس ان کے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ جنس کے متعلق

سلیم اختر کا رویہ انتہائی نارمل ہے، وہ اسے انسانی مسئلہ سمجھتے ہوئے اس سے پیدا ہونے والی ذہنی اور نفسیاتی الجھنوں کو موضوع بنا تے ہیں۔ یہ ذہنی الجھنیں زندگی میں سبھی طبقوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ڈاکٹر اے۔بی اشرف نے ڈاکٹر سلیم اختر کی افسانہ نگاری کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ان سب افسانوں میں ہمارے سامنے کی زندگی کے واقعات ملتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ معاشرتی ،اقتصادی اور نفسیاتی الجھنوں سے پر واقعات ۔۔۔۔۔۔''گندا خون''۔۔۔۔۔۔ جا گیرداری معاشرے کی تصویر ہے جس میں محکوم انسانوں کو ظالموں کے سامنے آنکھ اُٹھانے کی ہمت نہیں یہاں تک کہ معصوم بچے بھی گردن جھکائے بڑھتے پھولتے ہیں'' جلے پاؤں کی بلی'' ہمارے معاشرتی رویوں کی کہانی جن میں بیٹی کی ناقدری عام ہے اور یہی ناقدری اس میں نفسیاتی الجھنیں پیدا کرتی اور ابنارمل بناتی ہے۔۔۔۔۔۔ماں، بیٹا، آئینہ، درد کا بندھن، محاورے کے معنی اور دھرتی کی زنجیر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سب کے سب مختلف معاشرتی اور نفسیاتی مسائل کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ ''آئینہ'' نفسیاتی ٹریٹمنٹ کا افسانہ ہے۔''(۲)

ڈاکٹر سلیم اختر کا افسانہ ''کنول کنڈ'' عورت کے جرات اظہار اور وسیع القلبی کی منہ بولتی تصویر ہے جس میں افسانہ نگار نے حالات و واقعات سے ثابت کیا ہے کہ مرد اپنے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔مگر ایک عورت کے اندر اتنی ہمت ہے کہ وہ اس کے گناہ کا بوجھ، اپنا اور کئی دوسروں کے گناہوں کا بوجھ فراخدلی سے اٹھا سکتی ہے افسانے کا کلائمکس دیکھیے:

''مگر وہ ان کی گالیوں کی سنگساری سے بے نیاز آگے بڑھتی ہے اور آہستگی سے کنارہ پر بیٹھ کر بڑی احتیاط سے اپنا ہاتھ بچے کی طرف بڑھاتی ہے۔سینکڑوں آنکھیں کنول کے ڈنٹھل کو اس کی جانب آہستہ آہستہ کھینچتا دیکھ رہی ہیں۔ پھر وہ اسے نہایت محبت سے اُٹھا کر اپنے سینہ سے لگا لیتی ہے اب جو وہ اُٹھی تو یوں محسوس ہوا۔گویا آسمان تک اُٹھتی چلی گئی۔مڑی تو گردن میں کسی فاتح جیسا وقار اور چلی تو چال میں شاہانہ تمکنت ،نظروں کے ساتھ ساتھ مردوں کے پتھر والے ہاتھ بھی جھک گئے۔''(۳)

''چالیس منٹ کی عورت'' میں معاشرتی جبر کے تحت دہری شخصیت کے ساتھ زندگی بسر کرنے والی عورت کا کردار ''گونگی آپا'' کی شکل میں موجود ہے۔''نیا تماشا'' میں مجمع اور اس میں موجود مجمع باز ایک خاص تہذیب کے نمائندہ کردار ہیں۔ ایک خاص کلچر، خاص ارادت اور عقیدت کے مضبوط دھاگوں میں بندھے ہوئے کردار، نظر بندی اور شعبدے بازی کے منتظر، خوف کی چار دیواری میں قید جہاں فرار کا کوئی راستہ نہیں۔مجمع باز کا حلیہ ملاحظہ ہو:

''وہ دھول بھری سڑک کے کنارے کھڑا تھا، تنگ پیشانی، پتلا لمبوترا چہرہ، جسے نوکیلی ٹھوڑی نے تکون میں تبدیل کر دیا تھا۔ نیز متجسس آنکھوں میں سرمہ جو پسینہ سے تر چہرہ پر پھیلنے کو تھا۔ سیاہ چمکدار رنگ، پسینے میں بھیگنے سے تازہ پالش کیے بوٹ کی مانند لشک رہا تھا۔''(۴)

معاشرے میں منافقانہ رویوں کا اظہار ''سانتا کلاز'' میں نظر آتا ہے اس کا اختتام دیکھیے:

> ''تلاشی لو اس سالے ''سانتا کلاز'' کی'' ایک نے تمسخر سے کہا ہم بھی دیکھیں تو کہ اس نے بچوں کے لیے کون کون سے کھلونے، مٹھائیاں اور تحفے چرا رکھے ہیں۔'' تلاشی پر سانتا کلاز کے تھیلے میں سے سے کچھ بھی نہ نکلا تب اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں اور لے چلے اُسے انصاف گھر۔''(۵)

افسانہ ''پابندی وقت کے فوائد'' میں ماسٹر عنایت کی ذہنی وجسمانی نا آسودگی اور ازلی محرومی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے خوبصورت شاگرد کو وہ اپنا نیا شکار سمجھتے ہوئے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں ماسٹر عنایت کا کردار کئی روپ رکھتا ہے، مگر مذہب کا خیال اور معاشرتی دباؤ ان کرداروں کو پوشیدہ رکھتا ہے ہم جنسیت نفسیاتی عارضہ ہے اور معاشرے میں ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ زبیر رانا نے لکھا ہے۔ ''ہم جنس پرستوں کی محبت کا بنیادی محرک کتھارسس یا جنسی تشنج سے خلاصی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ کچھ تخلیق کرنا ان کا مقصد نہیں ہوتا۔''(۶)

زبیر رانا کے برخلاف ماہرین نفسیات نے ہم جنسیت کی تائید بھی کی ہے اور وہ اسے نفسیاتی عارضہ نہیں سمجھتے۔ Psychology Today میں لکھا ہے کہ:

> "Homosexuality had been considered traditionally a psgchological disorder, but several years ago the Amarcian Psychiatric Association, rejected the idea that homosexsuality is disease or that homosexuals are sick."(7)

ماہرین نفسیات اسے نفسیاتی بیماری نہ سمجھیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ معاشرے میں اس عارضے میں مبتلا افراد کے سب تلخ حقائق و واقعات سامنے آتے ہیں۔ جن کا سامنا ان افراد کے متعلقین کو کرنا پڑتا ہے۔ مبتلائے مرض ماسٹر عنایت کی للچاہٹ ''پابندی وقت کے فوائد'' میں دیکھیے۔ ''ماسٹر صاحب کی نگاہیں اگلی صف کے ڈیسک پر بیٹھے اقبال کے کندنی چہرے پر مرکوز ہو گئیں، کھلے ہوئے ہونٹ یک لخت بند ہو گئے مگر آنکھیں جیسے کھلتی چلی گئیں۔ اقبال نے ماسٹر جی کی نظروں کو خود پر محسوس کیا تو اس کے گال سرخ ہو گئے اور کانوں کی لو بھی تپ گئی۔''(۸)

''خبیث دا پتر''، بارھواں کھلاڑی اور ''تختۂ مشق'' میں بھی مردانہ ہم جنس پرستی کے رویوں کے مختلف انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی لکھتے ہیں:

> ''وہ جنس کو مسئلہ بنا کر پیش نہیں کرتے بلکہ اس کے نفسیاتی محرکات کا بھرپور جائزہ لینے کے بعد جنس کی تہ تک پہنچتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں کردار کے لاشعور کی پاتال تک پہنچ کر اس کا Depth ایکسرے لے لیتے ہیں۔ ایک اور خوبی یہ ہے کہ ان افسانوں میں جنس کا نفسیاتی تجزیہ منعکس ہوتا ہے اور جو اسلوب اور زبان استعمال کرتے ہیں وہ ایسے موضوعات کے لیے مناسب ہوتی ہے اور یوں ایک خفیف اور ہلکے تلذذ کا احساس ہوتا ہے اگرچہ بعض اوقات یہ

شدید ردعمل بھی لاتا ہے۔''(۹)

نسائی ہم جنسیت (Lesbianism) کا موضوع''لولیتا1969ء''،''سیفو 1968ء''،''بنجر مرد زرخیز عورتیں''اور ''مس احمد بی اے بی ٹی''میں اپنایا گیا۔

بقول صلاح الدین درویش''ہمارے مخصوص سماجی نظام میں ایسے موضوعات پر قلم اُٹھانا بجائے خود ایک بڑا انحراف ہے اور پھر یہ کہ ایسی کہانیاں لکھتے وقت موضوع کی نزاکت کے حوالے سے انصاف کرنا بھی بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔''(۱۰)

نسائی ہم جنسیت کے موضوع پر ڈاکٹر سلیم اختر کے جن افسانوں کا اوپر ذکر ہوا ان میں بڑی جرات اور بیباکی سے اس حساس موضوع کو پیش کیا گیا ہے کہ قاری کو ان کرداروں سے نفرت کی بجائے ہمدردی محسوس ہوتی ہے۔ وقت اور حالات کے مضبوط شکنجے میں گرفتار یہ مظلوم کردار اذیت، بے بسی، مظلومیت اور گردش دوراں کی تلخی کا شکار نظر آتے ہیں۔ یہ سب کردار اسی ہولناک معاشرے میں رہتے ہیں اپنی ذات کے خول میں بند، خالی آنکھوں سے بھری کائنات کو دیکھنے والے''مس احمد بی اے بی ٹی'' کا اختتام دیکھیے:

> "لمبی چوڑی مصروفیات کے باوجود اعصابی پژمردگی مستقل صورت اختیار کر چکی ہے بالوں میں سفیدی کی جھلک، عینک کے پیچھے آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے اور ہونٹوں کا نیچے کو مستقل جھکاؤ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ اسے لمحات کی گریز پائی کا احساس دلاتے ہیں آئینہ اسے یہ بتاتا ہے کہ تو وقت سے بازی ہار چکی ہے اور یہ ہاری ہوئی مس احمد بی ے بی ٹی خود کو لڑکیوں کے سمندر میں ایک ویران اور بے برگ و بار جزیرہ محسوس کرتی ہے۔شریر اور چنچل لہریں آتی تو ہیں مگر واپس جانے کے لیے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جزیرہ پیاسا ہی ہے۔''(۱۱)

ڈاکٹر سلیم اختر نے اس افسانے میں محض واقعات نہیں بیان کئے بلکہ کردار کے احساسات پیش کئے ہیں جنہیں وہ خود بھی نہیں جانتا اور ایک دھند لکے میں گم ہے۔ وہ اپنے تخیل سے کام لے کر کبھی کسی منظر کا بیان کرتے ہیں اور کبھی کرداروں کے درمیان باہمی مکالموں کے ذریعے کردار کا شخصی اور نفسی مطالعہ پیش کر کے اس کی شخصیت کے پوشیدہ پہلو بھی ہمارے سامنے لے آتے ہیں۔کردار نگاری اور نفسیاتی مطالعے کی آمیزش کہانی کی تکنیک کو دلچسپ بنا دیتی ہے۔ وہ پر لطف طریقے سے کرداروں کی گفتگو بیان کرتے ہیں کہانی معمولی باتوں اور مکالموں سے آگے بڑھتی ہے۔

ڈاکٹر طاہر تونسوی نے اس افسانے کے متعلق لکھا ہے کہ''مس احمد بی اے بی ٹی ان کا شاہکار افسانہ ہے۔''(۱۲)

سلیم اختر کے افسانے کسی نہ کسی نفسیاتی الجھن یا پھر جنسی محرومی کی بنیاد پر تخلیق ہوئے ہیں۔''بیوی کا الاؤ''میں بھی یہی محرومی سامنے آتی ہے۔ بقول ڈاکٹر عصمت جمیل''اس افسانے سے عصمت چغتائی کے افسانے''مغل بچہ'' کی یاد آتی ہے جس میں بیوی کا حسن شوہر کے لیے جھجک کا عث بن جاتی ہے۔''(۱۳)

ڈاکٹر سلیم اختر فرائڈ سے متاثر ہیں اور سعادت حسن منٹو سے گہری عقیدت رکھتے ہیں جس کا اظہار'' کاٹھ کی عورتیں'' کے دیباچے میں یوں کیا ہے۔''اس زمانے مین سعادت حسن منٹو میرے لئے وہ کچھ تھا جو علامہ اقبال کے لئے مولانا رومی ہے۔''(۱۴)

لہٰذا انھوں نے اُردو افسانے میں جنس کو موضوع بنانے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی اور اپنے تخلیقی سفر کے آغاز ہی میں عورت، جنس اور جذبات جیسے مضامین لکھ کر اپنا نقطۂ نظر واضح کر دیا۔ رہی فرائڈ کے اثرات کی بات تو فرائڈ نے دوسری جنگ عظیم کے خلفشار اور بربادی کی داستان کے بعد اجڑے گھروں میں رہنے والے ویران اور بنجر لوگوں کے نفسیاتی وجسمانی عوارض کے علاج معالجے کے دوران اپنے کچھ نظریات پیش کیے۔ بحیثیت معالج اس کے ہاں رشتوں میں اعتدال و توازن کی بجائے دوسری جنگ عظیم کے زمانے کے جنسی گھٹن کا شکار افراد موجود ہیں جس کے لئے سوسائٹی کے آداب اور آئین بے معانی ہیں۔ فرائڈ کے اس نظریے کے اثرات اُردو افسانے پر بھی مرتب ہوئے اور انسانی نفسیات میں جنس کو بطور موضوع فراخدلی سے اپنایا گیا۔ ڈاکٹر عصمت جمیل کی رائے میں ''فرائڈ کے نظریات کی روشنی میں جب ہم سلیم اختر کے افسانوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو صاف طور پر نظر آتا ہے کہ ان بیشتر افسانے فرائڈ کے جنسی کلیوں پر اپنی بنیاد استوار کرتے ہیں۔'' (۱۵)

ڈاکٹر سلیم اختر کا افسانہ ''پاؤں کی جنت'' Fetishism کی عمدہ مثال ہے فیٹشزم کی تعریف ڈاکٹر عبدالرؤف نے ان الفاظ میں کی ہے ''مقابل جنس کے جسم کسی حصے یا اس کی نشانی سے شہوانی ہیجان محسوس کرنے کو فیٹشسٹ کہتے ہیں۔'' (۱۶)

یہ جنسی علامات اکثر مرد اور عورت میں جنسی تحریک کو بیدار کرتی ہیں۔ جان فلر بھی ان کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے۔

> "In both sexes external stimuli become more and more important motivationally in comparison wiht internal drive stimuli."(17)

فیٹشزم کے شکار اپنی من پسند علامات کے اسیر ہو کر رہ جاتے ہیں جیسے ''پاؤں کی جنت'' کا مرکزی کردار ''فیل پا'' میں مبتلا اپنی ماں کی تیمارداری کے دوران Foot Fetishist بن جاتا ہے افسانے کا اختتام دیکھیے ''اُس نے شلوار کے پائنچے پنڈلیوں تک اُٹھا دیے۔ اس کا اندازہ غلط نہ تھا متناسب پنڈلیاں دو خوبصورت پاؤں پر آ کر ختم ہوتی تھیں وہ ایک لمحہ کو کسی فنکار کی مانند انھیں نیم وا آنکھوں، کھلے ہونٹوں اور تیز سانسوں سے دیکھتا رہا اور پھر وہ انھیں دیوانہ وار چومنے لگا۔'' (۱۸)

فٹ فٹشزم کے نمونے اُردو شاعری میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ مرزا غالب کے اشعار دیکھیے:

لے تو لوں سوتے میں اس کے پاؤں کا بوسہ مگر
ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائے گا(۱۹)

اور:

دھوتا ہوں جب میں پینے کو اس سیمتن کے پاؤں
رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پاؤں(۲۰)

میر تقی میر کے ہاں یہ احساس زیادہ شدت کے ساتھ موجود ہے:

وہ سر چڑھا ہے اتنا ، اپنی فروتنی سے
کھویا ہمیں نے اس کو ہر لحظہ پاؤں پڑ کر(۲۱)

☆☆☆

آنکھیں کفک سے اسکی لگا کر خاک برابر ہم بھی ہوئے
مہندی کے رنگ ان پاؤں نے تو بہتوں کو پامال کیا(۲۲)

بقول ڈاکٹر سلیم اختر ''میر کے ہاں محبوب کے پاؤں سے اتنی زیادہ دلچسپی ملتی ہے کہ بعض اوقات تو اس پر'' پاپر ست'' Foot Fetishist کا گمان ہونے لگتا ہے۔''(۲۳)

ڈاکٹر سلیم اختر کے افسانوں کا ایک موضوع جنسی تفریق ہے۔ ہمارے سماج میں مرد اور عورت کے لئے اخلاقی اعتبار سے الگ الگ خانے بنائے گئے ہیں۔ ان کی تربیت میں جداگانہ اور امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ انسا ئیکلو پیڈیا آف سائیکالوجی میں لکھا ہے:

> "Starting at birth, girls and boys are treated differntly in many socialization areas."(24)

معاشرے میں عورتوں کے لئے سکہ بند روایات اور توقعات ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہوتی ہیں اور انھیں اپنی زندگیاں اپنے لئے تعین کردہ دائرے کے اندر رہ کر بسر کرنا ہوتی ہیں۔ اس کی وضاحت ڈاکٹر سلیم اختر نے عورت جنس جذبات میں کی ہے:

> ''بچپن میں جو ماحول ملتا ہے اس میں اسے ہر کام پر اور ہر لحظہ یہ احساس کرایا جاتا ہے کہ صنف نازک یعنی جنس ضعیف ہے اس میں کسی قسم کی انفرادیت نہیں ہوتی، ماحول اس قدر منفی ہے کہ اپنی انفرادیت کو تسلیم کرانے کے لئے وہ مرد کے سہارے کی محتاج ہے۔''(۲۵)

سماج کا یہی رویہ'' جلے پاؤں کی بلی'' میں کیا گل کھلاتا ہے وہ اس افسانے میں نعیمہ کے کردار سے ظاہر ہے جس میں اہل خانہ کے امتیازی سلوک کے باعث جو نفسیاتی الجھن پیدا ہوتی ہے وہ کہانی میں پیش کئے گئے واقعات کا منطقی نتیجہ ہے مثلاً:

> ''آئینہ میں تبدیلی ہیت کا نظارہ کر کے نعیمہ ششدر رہ گئی، خود کو ٹریڈ مارک کے بغیر دیکھ کر اس پر عجیب خوشگوار اثر ہوا۔ داڑھی اور پگڑی نے اسے ایک مدبر شخصیت بنا دیا تھا۔ ڈرامہ کیونکہ آخر میں تھا اس لئے وہ ایک طرف کرسی پر بیٹھ گئی۔ آج اسے وہ دن یاد آرہا تھا جب اس نے خالی گھر میں پہلی مرتبہ مردانہ لباس زیب تن کیا تھا۔ اس دن وہ کیسے حواس باختہ تھی اور آج کتنی مطمئن۔''(۲۶)

ڈاکٹر سلیم اختر کے افسانوں میں عموماً انسانی جذبوں کی مختلف کیفیات کی تصویریں ہیں، ان تصویروں میں جنسی جذبوں کے عکس نمایاں ہیں۔ ان افسانوں میں مضبوط رشتہ مرد اور عورت کا ہے۔ اگرچہ اس کی بنیاد جنس پر قائم ہے۔ بقول ڈاکٹر عصمت جمیل:

> ''سلیم اختر کے افسانوں کا مرد جنس سے تخلیق ہوا ہے۔ مٹھائی کی پلیٹ اور دودھ کا گلاس اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ وہ عورت کے جذبات کی کوئی پروا نہیں کرتا، اسے عورت کے ذہن کی نہیں جسم کی ضرورت ہے۔''(۲۷)

ڈاکٹر سلیم اختر کے افسانے اپنا کینوس وسیع کرتے ہوئے سماجی اور معاشرتی مسائل کی طرف سفر کرتے ہیں تو افسانہ

''بکری''، ''محاورے کے معنی'' اور ''چالیس منٹ کی عورت'' جیسے خوبصورت افسانے سامنے آتے ہیں اُردو افسانے میں یہ رجحان دراصل آزادی کے بعد شروع ہوا۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی رائے میں :

> ''آزادی کے بعد شاعری کی طرح افسانے میں بھی پورے آدمی کو سمجھنے زندگی کے تمام مناظر وکوائف کو نظر میں رکھنے، اس کے سیاہ و سفید ہر پہلو کو پرکھنے، خارجی و باطنی تقاضوں کو سمونے، اورانسان کو ایک معنوی واحدہ، ایک محشر خیال اور ایک جہان آرزو کے طور پر دیکھنے اور دکھانے کی تڑپ پیدا ہوئی۔'' (۲۸)

یوں ڈاکٹر سلیم اختر کے افسانوں کا موضوعاتی کینوس خاصا وسیع ہے۔ جس میں جنسی اور نفسیاتی کہانیوں کے ساتھ معاشرتی اور سماجی افسانے بھی ہیں اور سیاسی موضوع پر علامتی کہانیاں بھی موجود ہیں جیسے ''محاذ ۱۹۷۱ء'' اور دوسیارے کا موضوع مشرقی پاکستان کا المیہ ہے اور ''زنجیر'' ہماری اجتماعی صورت احوال پر مبنی ہے جس میں غلط سمت جاتی ریل کو زنجیر ہلا کر روکنے کی کسی میں جرات نہیں۔ کچھ افسانوں میں گہرا سیاسی شعور موجود ہے۔ جہاں حقیقتوں کا ادراک علامتی سطح پر کیا گیا ہے۔ یہ افسانے ملک میں مارشل لاء کے دور میں لکھے گئے۔ لہٰذا معاشرتی جبر ان میں نمایاں ہے ''کھجوروں کا موسم'' داستانوی انداز میں لکھی گئی کہانی ہے:

> ''نہ گھنے درختوں کی خنک چھاؤں میں کوئل کوکتی نہ املتاس کے درختوں پر پیلے پھولوں کے جھومر سجتے۔ نہ جھاڑیوں کی مہکار میں چڑا چڑیا سے اظہار محبت کرتا نہ دن کو موتیا چھکتا۔ نہ رات کو رات کی رانی ۔۔۔۔ خوشبودار سانس لیتی نہ بن میں مورنی کو رجھانے کے لئے مور رقص کرتا۔ ان سب کو کاٹ کران کی جگہ کھجور کے درخت لگا دیئے۔'' (۲۹)

''پکار'' میں ایسی بستی کا ذکر کیا گیا ہے جو خوف میں جکڑی ہوئی ہے اور بلاؤں کی آماجگاہ ہے، یہ بلائیں وہ استحصالی قوتیں ہیں۔ جو کمزور ملکوں کا خون چوس کر انھیں کھنڈر کر دیتی ہیں۔ ''لہو کی چہچہاہٹ'' میں آدم خور بلاؤں کو عورت کے جسم کو بھون کر کھاتے دکھایا ہے۔ یہ سب افسانے سیاسی اور معاشرتی حوالے سے اپنا علامتی رخ رکھنے کے باوجود بہترین ہیں۔ لیکن ڈاکٹر سلیم اختر کا اصل میدان جنس اور نفسیات ہی ہے اور ان کی افسانہ نگاری کا فن اسی دائرے کے اندر رہتے ہوئے دیگر مسائل حیات کی طرف بڑھتا ہے اور ایسے کردار پینٹ کرتا ہے، جو افسانہ نگار کے گہرے مشاہدے پر دلالت کرتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، تنقیدی تناظر، علی گڑھ: ایجوکشنل بک ہاؤس، ۱۹۷۸ء، ص: ۵۰

۲۔ اے۔ بی اشرف، ڈاکٹر، شاعروں اور افسانہ نگاروں کا مطالعہ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص: ۴۲۴

۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نرگس اور کیکٹس، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص: ۲۸۹

۴۔ ایضاً، ص: ۱۵۹

۵۔ ایضاً، ص: ۱۳۰

۶۔ زبیر رانا، عشق کا مارکسی تصور، لاہور: ری پبلکن بکس، ۱۹۸۹ء، ص: ۶۹

7. MC Raw, Pyschology Today, New York: Hill Publishers, 1989, P:36

۸۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نرگس اور کیکٹس، ص:۶۰۷

۹۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر: ہمسفر بگولوں کا، لاہور: الفیصل، بار دوم، نومبر۲۰۱۳ء، ص:۱۸۳

۱۰۔ صلاح الدین درویش، اُردو افسانے کے جنسی رجحانات، لاہور: نگارشات، ۱۹۹۹ء، ص:۱۵۳

۱۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نرگس اور کیکٹس، ص:۶۶۶

۱۲۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، ہمسفر بگولوں کا ص:۱۸۴

۱۳۔ عصمت جمیل، ڈاکٹر، نسائی شعور کی تاریخ۔ اُردو افسانہ اور عورت، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۱۲ء، ص:۱۵۵

۱۴۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، دیباچہ: کڑوے بادام، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء

۱۵۔ عصمت جمیل، ڈاکٹر، نسائی شعور کی تاریخ۔ اُردو افسانہ اور عورت، ص:۱۵۳

۱۶۔ عبدالروف ڈاکٹر، بچوں کی نفسیات، لاہور: فیروز سنز، ۱۹۷۶ء، ص:۲۵۷

17. Fuller John, Motivation, New York: Randaom House, 1942, P:32

۱۸۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نرگس اور کیکٹس، ص:۳۷۷

۱۹۔ غالب، اسد اللہ خاں، مرزا، دیوان غالب، مرتب: امتیاز علی خاں عرشی، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع دوم، دسمبر ۲۰۱۱ء، ص:۱۷۴

۲۰۔ ایضاً، ص:۲۴۶

۲۱۔ میر تقی میر، کلیات میر، جلد اول، مرتب: رانا خضر سلطان، لاہور: بک ٹاک، ۲۰۰۹ء، ص:۱۸۴

۲۲۔ ایضاً، ص:۷۷

۲۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تخلیق، تخلیقی شخصیات اور تنقید، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص:۹۷۱

24. Corsini, Encyclopedia of Psychology New Yourk: Jhonwil and Sons,1984, P:301

۲۵۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، عورت جنس جذبات، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء، ص:۲۵۰

۲۶۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نرگس اور کیکٹس، ص:۵۷۹

۲۷۔ عصمت جمیل، ڈاکٹر، نسائی شعور کی تاریخ۔ اُردو افسانہ عورت، ص:۵۶۔۱۵۵

۲۸۔ نارنگ، گوپی چند، ڈاکٹر، اُردو افسانہ روایت اور مسائل، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ص:۱۱

۲۹۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نرگس اور کیکٹس، ص:۴۲۸

☆......☆......☆